”مسٹر جناح کی سیاست کا ارتقاء“

مصنف: پروفیسر شریف المجاہد　　　　مترجم: پروفیسر منور علی خان

دنیا کے بہت سے عظیم انسانوں کی طرح مسٹر جناح کی زندگی بھی نہایت اہم پہلوؤں کی حامل تھی۔ ان کی شخصیت کثیر الجہات، ان کا سیاسی شعور متنوع اور جو جو کردار انہوں نے ادا کئے وہ بھی متعدد اور مختلف النوع تھے۔ مثال کے طور پر ایک ہی وقت اور مختلف اوقات میں بھی وہ اس صدی کے پہلے نصف کے عظیم اور ممتاز ترین ہندوستانی قانونی ماہروں میں شمار ہوتے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر' ایک عظیم وطن پرست' ایک ممتاز پارلیمانی لیڈر، چوٹی کے سیاستداں' ایک سرگرم مجاہد آزادی' ایک متحرک عوامی لیڈر' بسمارک جیسی صلاحیت رکھنے والے ایک سیاسی ہنرمند اور سب سے بڑھ کر موجودہ دور کے عظیم قومی معماروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مسٹر جناح کے سیاسی کردار کے واضح انداز میں تین دور تھے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر دوران کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کے اعتبار سے گو علیحدہ ہے لیکن اے۔ وی۔ ہوڈسن (A.V. Hodson) کے بقول ”سیاسی ارتقاء کے تسلسل کے اعتبار سے باہم پیوستہ بھی ہے۔“ پہلا دور (۱۹۰۶-۱۹۲۰) مسٹر جناح کے کانگریس کے ساتھ گہرے اشتراک عمل پر محیط تھا اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا (۱۹۲۱-۱۹۳۷) جس میں پالیسی کے تقاضوں اور نصب العین کے اعتبار سے پہلے دور کا مجموعی دباؤ باقی رہا لیکن اس دور میں کانگریس کے ساتھ ان کا بلا جھجک اشتراک رہا اور بعض اہم مواقع پر یا بعض اہم سرگرمیوں میں اور بعض معاملات میں جہاں کانگریس کا اندازِ فکر ان کے اپنے اندازِ فکر سے ہم آہنگ ہو یہ اشتراک رفاقت میں تبدیل ہو گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ درمیانی دور جس میں وہ بظاہر دو کشتیوں میں سوار تھے بالآخر ۱۹۳۷ میں ختم ہو گیا۔ جس کے بعد کانگریس کے ساتھ ان کے دس سالہ ابھرتے ہوئے اختلافات کا آغاز ہوا۔

تیسرا دور (۱۹۳۷-۱۹۴۷) دور اس اثرات کا حامل ہے اور دس سال پر محیط ہے جو برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان پر ختم ہوا۔ تاہم (۱۹۴۷-۱۹۴۸) تک ایک دور اور بھی تھا جس میں وہ نوزائیدہ پاکستانی قوم کے بانی کی حیثیت سے سامنے آئے۔ یہ وہ قوم تھی جسے وہ ہندوستان کی ہیئتِ سیاسی میں سے نکال کر وجود میں لائے تھے یہ کارنامہ گو مختصر مدت میں حاصل ہوا اور مشکلات سے گزر کر وجود میں آیا لیکن اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ انہوں نے اپنے دو قومی نظریہ کو ایسے مثالی انداز میں بیان کیا جس سے مطالبۂ پاکستان کو ذہنی جواز اور سیاسی پختگی حاصل ہوئی۔

پہلے دور میں مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ ہندوستان کی آزادی کے لیے پورے جوش و جذبہ سے کام کرتے رہے۔انہیں یہ پختہ یقین تھا کہ دونوں بڑی قومیں آزادی کے حصول کے بعد اقتدار میں شریک ہو جائیں گی۔۱۹۰۶ میں انہوں نے کانگریس کے پلیٹ فارم سے کانگریس کے صدر دادا بھائی نوروجی کے سیکرٹری کی حیثیت سے جب اپنے سیاسی کردار کا باقاعدہ آغاز کیا اور اس کے چند سال بعد تک بھی تین قسم کی تحریکیں مسٹر جناح کی شخصیت اور ان کی سیاست پر اثر انداز ہوتی رہیں۔

(i) انیسویں صدی کی برطانوی حریت پسندی (لبرل ازم) کی تحریک سے وہ قانون کے طالبعلم کی حیثیت سے انگلستان کے چار سالہ قیام کے دوران (۱۸۹۲-۱۸۹۶) متاثر ہوئے تھے۔ اس تاثر کو بعد میں نوروجی، گوپال کرشن گوکھلے (۱۸۵۶-۱۹۱۵) سر فیروز شاہ مہتہ (۱۸۴۵-۱۹۱۵) اور سر سریندر ناتھ بنر جی (۱۸۴۸-۱۹۳۵) جیسے ہندوستانی حریت پسندوں کے ساتھ قریبی تعلق کی بنا پر تقویت حاصل ہوئی ان میں سے ہر ایک کانگریس کا صدر ایک دفعہ یا ایک سے زیادہ رہ چکا تھا۔

(ii) بلدیاتی بمبئی کا وسیع المشر بی ماحول اور کاروباری پس منظر بھی ان کی شخصیت پر اثر انداز ہوا۔اس ماحول کے شخصی آزادی میں عدم مداخلت کے عقیدہ نے آزاد خیالی کو عروج دیا تھا اور مسابقت اور بقائے اصلح کے نظریہ کو تقویت پہنچائی تھی۔اسی ماحول میں اس صدی کے آغاز سے ہی مسٹر جناح ایک نہایت کامیاب بیرسٹر کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

(iii) پارسیوں کے ساتھ ان کا گہرا پیشہ ورانہ تعلق بھی ان کی شخصیت پر اثر انداز ہوا۔یہ ایک چھوٹی سی قومیت تھی لیکن بمبئی کے پھیلے ہوئے کاروباری نظام پر حاوی تھی اور عددی اقلیت، نسلی عصبیت اور فرقہ دارانہ حد بندی کے باوجود کاروباری پیش قدمی، کاروباری جرأت مندی اور محنت کے تفوق کی زندہ مثال تھی۔

مندرجہ بالا خصوصیات کو مسٹر جناح نے اپنایا اور ساری عمر ان کی تعریف کرتے رہے۔اس ماحول میں تربیت حاصل کر کے وہ اپنے سیاسی شعور کے اعتبار سے بدرالدین طیب جی (۱۸۴۴-۱۹۰۶) سے نہ زیادہ مختلف تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ بدرالدین طیب جی کانگریس کے سابق صدر تھے جن سے بمبئی کی پریسیڈنسی ایسوسی ایشن میں ان کا گہرا رابطہ تھا۔یہ ایسوسی ایشن صوبہ سب سے زیادہ اہم سیاسی تنظیم تھی۔اپنے پیشہ ورانہ معاملات میں وہ کبھی کبھی طیب جی سے رہبری حاصل کرتے رہتے تھے۔ طیب جی کی طرح مسٹر جناح بھی اپنے پس منظر کے اعتبار سے اور اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے ماحول میں مصروف رہ کر مسلمانوں کے مسائل کے معروضی حقائق اور مسلم ہندوستان کے عام رجحانات سے باخبر نہ رہ سکتے تھے۔

تاہم ۱۹۰۷ کے بعد مسٹر جناح میں ایک غیر محسوس انداز میں تبدیلی آئی تھی۔ یہ تبدیلی ممکن ہے بمبئی کے مسلمانوں کی ایک بہت اہم تنظیم 'ضیاء الاسلام' کی ایگزیکٹو کمیٹی کی رکنیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔دو سال بعد انہوں نے اسی انجمن کے زیر

اہتمام منعقد شدہ بمبئی کے مسلمانوں کے ایک عوامی اجلاس میں جہاں کثیر تعداد میں مسلمان جمع ہوئے تھے ایک اہم قرارداد پیش کی جس میں مسلمان لیڈروں کے مشورہ سے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابی حلقے تشکیل دیئے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ مطالبہ انتخابی حلقوں کے مسئلہ پر ان کی سوچ میں ایک بڑی تبدیلی کا مظہر تھا اور جو اس مسئلے پر مسلمانوں کی متفقہ سوچ سے انہیں قریب تر لے آیا۔ پانچ مہینہ بعد جنوری ۱۹۱۰ میں انہوں نے امپیریل لیجلسلیٹو کونسل کی بمبئی کے مسلمانوں کی مخصوص نشست کے لئے انتخابات میں شرکت کی اور کامیاب ہوئے۔ کونسل میں ان کی اس رکنیت کی وجہ سے ان کی سیاست اور ان کے لائحہ عمل میں بتدریج ایک گہری تبدیلی آئی اس طرح انہیں مسلمانوں کے مسائل کا زیادہ احساس ہوا اور وہ نہ صرف ندوہ اور علیگڑھ جیسے مسلمانوں کی رائے عامہ کے مراکز سے بلکہ مسلم لیگ سے قریب تر آ گئے۔

مسلم ہندوستان کے مروجہ عام مسائل کے ادراک سے انہیں یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کے بھی کچھ مخصوص مفادات اور کچھ ضرورتیں ہیں جن کی طرف توجہ کی جانی چاہیے اور انہیں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس طرح جداگانہ انتخابی حلقوں کے جواز کی طرف ان کے جھاؤ کا آغاز ہوا جو مسلمانوں کے لئے ۱۹۰۹ کی منٹو مارلے اصلاحات کے ذریعہ منظور کر لیے گئے تھے۔ اسی لئے اب انہوں نے اپنے ہندو دوستوں کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ سمجھایا کہ اس مسئلہ کے جواز پر مزید بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسے مسلمانوں کے منشور کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اور یہ کہ جداگانہ انتخابی حلقوں کا مطالبہ مسلمانوں کی کسی حکمت عملی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کی ضرورت ہے۔ ۱۹۱۰ کے بعد سے مسٹر جناح خصوصی دعوت پر مسلم لیگ کونسل کے اجلاسوں میں شریک ہونے لگے تھے اور تمام صلاح و مشوروں میں بھی شامل ہوتے تھے حتیٰ کہ ۱۹۱۲ میں وہ حکومت خود اختیاری کے سلسلہ میں مسلم لیگ کے فیصلے اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے نیا منشور مرتب کئے جانے میں بھی بڑی حد تک معاون ہوئے تھے۔ اس طرح اکتوبر ۱۹۱۳ تک جب انہوں نے مسلم لیگ میں با قاعدہ شمولیت اختیار کی، ایک نیا اور ابھرتا ہوا پہلوان کے سیاسی نظریات میں نمایاں ہو گیا تھا جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کی مستقل حیثیت کو قائم رکھنے اور اسے تقویت پہنچانے کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔

۱۹۱۱ میں اگرچہ وہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی رائے عامہ کے ایک بڑے حصہ کی نمائندہ جماعت سمجھتے تھے لیکن ۱۹۱۵ میں ان کے خیال کے مطابق مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم تھی جس پر مسلمان فخر کر سکتے تھے۔ مزید برآں وہ ضروری سمجھتے تھے کہ یہ جماعت اپنی تنظیمی صلاحیت اور مسلمانوں کی رائے عامہ کی پختگی کا مظاہرہ کرے اور مسلمان آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے متحد ہو جائیں اور اس کے آئین کی پاسداری کریں۔ پھر ۱۹۱۶ میں انہوں نے کانگریس کو نہ صرف مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کرنے کے لئے رضامند کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات تھی کہ انہوں نے کانگریس سے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابی حلقوں کے حق کو تسلیم کرا لیا جو بہرحال ۱۹۰۲ ہی سے مسلمانوں کا بنیادی مطالبہ تھا۔ اس طرح مسلمانوں کی حیثیت اور ان کی انفرادیت کے تسلیم کئے جانے کے لئے سرسید احمد خان کے زمانہ سے لیکر اب تک ہندوستان کے آئینی پس منظر میں مسٹر جناح

کا ۱۹۱۶ کا یہ کارنامہ مسلمانوں کی جدو جہد کا نقطۂ عروج تھا۔

مسٹر جناح کے سیاسی کردار کے پہلے دور میں تین نمایاں پہلو ہیں:-

(i) ہندوستانی قومیت میں ان کا پختہ یقین اس صورت میں کہ مستقبل کے انتظامی منصوبہ میں خصوصی طور پر ہندو مسلمان دونوں شریک ہونگے۔

(ii) ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کی کوشش۔

(iii) مسلم لیگ کے استحکام کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کی کوشش۔

یہ تینوں پہلو ان کے سیاسی کردار کے دوسرے دور میں بھی موجود رہے لیکن آئندہ سالوں میں مسٹر جناح کی ترجیحات کے مطابق ان تینوں پہلوؤں کا مقام بدل گیا تھا کیونکہ نہرو رپورٹ (۱۹۲۸) پر ۱۹۲۸ ہی میں کلکتہ میں ہونے والے آل پارٹیز کنونشن کے فیصلوں سے ظاہر ہے کہ ہندو انتہا پسندوں کے دباؤ میں آ کر کانگریس کے نصب العین میں ایک انقلابی تبدیلی آ گئی تھی۔ کلکتہ کے اس کنونشن میں وفاقی نظام کے لئے مسلمانوں کا مطالبہ جس کا مقصد مسلم اکثریتی صوبوں میں اپنے لئے معقول اختیارات کا حصول تھا۔ ہندوؤں کی طرف سے وحدانی طرز حکومت پر اصرار کی صورت میں ہندوؤں کی مخالفت کا شکار ہو گیا۔ یہ مخالفت اس لئے تھی کہ ہندو چاہتے تھے کہ غلبہ رکھنے والے مرکز کے ہاتھ میں اختیارات کا ارتکاز ہونا چاہیے اور صوبوں کو کم نفع بخش اختیارات دیئے جائیں۔ ہندو مسلم اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے ایک قومی معاہدہ کے ذریعہ مسٹر جناح کی کوششیں دوسرے دور بلکہ تیسرے دور کے آغاز تک جاری رہیں۔ جو ۱۹۳۷-۱۹۳۸ کے دوران بالکل ختم ہو گئیں۔

ہندو مسلم اختلافات کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے دو آئینی منصوبے ۱۹۲۷ کی تجاویز دہلی اور ۱۹۲۹ کے چودہ نکات کی شکل میں مرتب کئے تھے۔ ان منصوبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اب بھی مسئلہ کے حل کے لئے دو علیحدہ علیحدہ لیکن کسی کو بھی امتیازی حق نہ دلانے والے پہلوؤں میں یقین رکھتے تھے یعنی قوم پسندوں کا پہلو اور مسلمانوں کا پہلو۔ تجاویز دہلی کا مقصد جن کے ذریعہ مسلمانوں کا جداگانہ انتخابی حلقوں کا مطالبہ مسترد کیا جانا تھا بشرطیکہ مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو معقول اختیارات کے حصول کی یقین دہانی کی جائے، قوم پرستوں کو خوش کرنے کے لئے تھا جب کہ چودہ نکات کے مقصد علی الاعلان مسلمانوں کے مطالبہ کی حمایت کرنا تھا۔

مزید برآں آنے والے سالوں میں ان کے چودہ نکات لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس (۱۹۳۰-۱۹۳۲) کے لئے جو ہندوستان کے مستقبل کے آئین پر غور و خوض کرنے اور اسے مرتب کرنے کے لئے منعقد کی گئی تھی نہ صرف مسلمانوں کے مطالبات کی بنیاد بن گئے بلکہ گیارہ سال بعد قرارداد پاکستان کے منظور ہونے تک مسلم ہندوستان کا منظور اعظم (میگنا کارٹا) بنے رہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دوسرے دور کے سارے عرصہ میں مسٹر جناح کوشش کرتے رہے کہ ہندوؤں پر مسلمانوں کے

مسئلہ کے جواز کو ثابت کردیں وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ کوئی ہندوستانی اگر مسلمانوں کے مفادات کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں اپنے ملک کی خدمت نہیں کررہا اور یہ کہ نمائندہ حکومت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں کو ہاتھ پیر باندھ کر ایک ایسے آئین کا پابند کردیا جائے جس کے تحت ہندوؤں کا ایک مخصوص طبقہ ان پر ظلم روا رکھے اور جس طرح چاہے ان کے ساتھ برتاؤ کرے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس قسم کی حکومت نہ نمائندہ ہوگی اور نہ جمہوری۔ اس دوران وقت کے گزرنے کے ساتھ مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے مسٹر جناح کی کوششیں زیادہ نمایاں ہوگئیں اور دوسرے دور کے اختتام تک ان کے لئے جذباتی شدت اختیار کرگئیں۔ جیسے جیسے تیسرا دور آگے بڑھا ان کا یہ جذبہ ان کی غالب سوچ بن گیا جو مسلمانوں کے اتحاد کے لئے بہت بڑی علامت بنا۔

ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے قومی آزادی ایک عظیم مقصد بنی رہی جس کے حصول کیلئے جو ذرائع اختیار کئے گئے ان میں ایک ڈرامائی تبدیلی آئی۔ اگر ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ قومی آزادی کا حصول ممکن نظر نہیں آرہا تو یہ مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں میں علیحدگی کے ذریعہ حاصل ہونا چاہیے اگر یہ مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان متحدہ قومیت کے نظریہ کے تحت حاصل ہونا چاہیے اور اگر یہ مقصد دونوں قوموں کے درمیان علیحدہ قومیت کے نظریہ کے تحت حاصل ہونا چاہیے اور اگر یہ مقصد متحدہ ہندوستان کی شکل میں حاصل نہیں ہوتا تو یہ ملک کی تقسیم کے ذریعہ حاصل ہونا چاہیے ہر صورت میں آخری مقصد یہ ہونا چاہیے کہ سیاسی اختیارات مسلمانوں کو منصفانہ طور پر حاصل ہوں۔

پینڈرل مون (Pendrel Moon) کے قابل ذکر الفاظ میں ''اگر ہندو اور مسلمان ایک ہی ''تخت'' پر ہم پلہ انداز میں یعنی برابری کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تو اپنے اپنے اکثریتی علاقوں میں ان کے لئے علیحدہ ''تخت'' ہونا چاہیے۔'' اس طرح مسٹر جناح کے سیاسی کردار کا جائزہ لینے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بقول ہوڈسن (Hodson) ''ان کے سیاسی کردار کے ادوار گو علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح باہم پیوستہ ہیں کہ مسٹر جناح کی زندگی کا تجزیہ کرنے کے لئے ان ادوار کے درمیان تبدیلیاں اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ ان ادوار کی جزئیات۔ دراصل ان کی شخصیت کے ادراک کے لئے یہ لازمی ہے کہ ان کے سیاسی ارتقاء کے تسلسل کو تسلیم کیا جائے۔'' لہٰذا ہوڈسن (Hodson) اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ''ہندو مسلم اتحاد کے سفیر'' سے ہندو مسلم علیحدگی کے زبردست حامی کی حیثیت میں ان کی تبدیلی کا سراغ لگانا بظاہر نا قابل فہم ضرور نظر آتا ہے لیکن یہ سراغ اچانک کسی بصیرت یا حکمت عملی کے پلٹنے کی وجہ سے نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اور حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد بنیادی نظریات کی از سر نو ترجمانی کے طویل عمل کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ تاہم جب وہ دوسرے دور سے تیسرے دور میں داخل ہوئے تو ان کے اقدامات اور مقاصد میں ان کا بنیادی نظریہ بہت واضح ہوگیا کیونکہ جب سے کانگریس نے ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو ایوان اقتدار میں شرکت کے اعتبار سے نظر انداز کردیا تو اس سے مرکزی حکومت کے قیام میں کانگریسی سوچ کا پہلے ہی سے اندازہ ہوگیا۔

اس اعتبار سے پاکستان کے مطالبہ کو مسٹر جناح کے ۱۹۳۷ء کے بعد کے طرز عمل میں وسعت اور پھیلاؤ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جو ایک ترقی پذیر سیاسی پلیٹ فارم کی صورت میں ٹھوس شکل اختیار کر گیا۔ اس طرح ۱۹۳۷ء کے بعد سے مسلمانوں کی نظر میں مسٹر جناح کی شناخت مسلمانوں کے لیے ایک دلآویز قومیت کا تصور رکھنے والے انسان کی حیثیت سے ہونے لگی۔ وہ تصور جس نے مسلمانوں کے قومیت کے شعور کو اقتدار کا شعور عطا کیا جو ان کے نفسیاتی تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ اس کے بعد سے انہیں آہستہ آہستہ مسلمانوں کا قومی اتفاق رائے حاصل ہو گیا۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کیوں اور کس طرح مارچ ۱۹۴۰ء کی مطالبہ پاکستان کی تحریک شروع کرنے سے پہلے ہی مسلمانوں کے قائداعظم بن گئے تھے اور دوقومی اصطلاح کے ذریعہ انہوں نے اس مطالبہ کے لئے ذہنی جواز پیدا کر کے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء کا چوتھا دور اتنا ہی اہم ہے۔ ڈیوک یونیورسٹی کے پروفیسر راف بریانتی (Prof. Ralph Baribnti) کے بقول صرف اس لئے نہیں کہ وہ نوزائیدہ قوم کے مقدمہ کے نگران اور نگہبان بن گئے تھے اور انتہائی پرخطر اور سنگین حالات میں جن سے شاید ہی کوئی حکومت دو چار ہوئی ہو انہوں نے پاکستان کی بقا کی ضمانت دی تھی بلکہ قیام پاکستان سے قبل ان کا اپنا انداز بیان بھی جو مثالی تھا اس کا سبب بنا۔

بہرحال دوقومی نظریہ ایک مثال یا اصطلاح تھی' ایک نظریاتی ڈھانچہ تھا جو صرف برصغیر کے اگست ۱۹۴۷ء سے قبل کے حالات کے تناظر میں صحیح تھا جن میں مسلمانوں کو اقتدار میں منصفانہ شرکت سے محروم کیا گیا تھا۔ ۱۴-۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی مسلمان قوم کے ایک مملکت کی شکل اختیار کر لینے سے رینان (Renan) کے قومیائی ڈھانچہ کے مطابق جنگ کے میدان اور عمل کے میدان میں جغرافیہ اور گزشتہ ساٹھ سال کے سیاسی واقعات کے ذریعہ ایک بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی اور اس تبدیلی کے ساتھ جغرافیائی سیاسی حوالہ جس کے ذریعہ دوقومی نظریہ پیش کیا گیا تھا اور جس نے نہ صرف عملی شکل اختیار کر لی تھی، اب نئے حقائق کے پیش نظر کسی حد تک غیر موزوں اور فرسودہ ہو کر رہ گیا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ مسلمانوں نے اپنا وطن حاصل کر لیا اور ایک قوم کی شکل اختیار کر لی اور وہ دوقومیں جو برطانوی راج میں اکٹھی تھیں دو علیحدہ علیحدہ اور آزاد و خودمختار حیثیت میں دنیا کے نقشہ پر وجود میں آگئیں۔ الغرض بنیادی اعتبار سے جو عمودی تبدیلی رونما ہوئی تو اس کی وجہ سے بھی دوقومی نظریہ میں اصطلاحی تبدیلی آگئی۔

۱۴-۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے دوقومی نظریہ کی بجائے تقسیم کے بعد پیدا ہونے والی ہندوستانی اور پاکستانی قوم کی اصطلاح وجود میں آگئی سابقہ ہندوستانی مسلمانوں کی وفاداریوں اور جذباتی لگاؤ میں اس تبدیلی کو سب سے پہلے مسٹر جناح نے خود تسلیم کیا اور دوسروں سے محسوس کرایا حالانکہ وہ خود نہ صرف دوقومی نظریہ کے زبردست حامی تھے بلکہ ایک ایسے مدبر بھی تھے جو اپنے دلائل کا شکار اور ماضی پرست ہونے کی بجائے حقائق اور نئے حالات کے تناظر میں آگے بڑھے اور ان نئے حقائق اور نئے حالات کی بنیاد پر مستقبل کو تشکیل کیا۔ اسی طرح ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی سے اپنی روانگی سے قبل مسٹر جناح نے قریبی ماضی کو بھول جانے،

دشمنیوں کو بھلا دینے اور ہندوستان اور پاکستان کی شکل میں دو آزاد اور خود مختار مملکتوں کا آغاز کرنے کی تلقین کی جب کہ بہت سے دوسرے چوٹی کے ہندوستانی لیڈ بشمول گاندھی جی ہندوستان کی مسلم اقلیت سے وفاداری کے امتحان میں پورا اترنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ۷ اگست والے پیغام پر مسٹر جناح نے اور اگست ۱۹۴۷ کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے اپنے خطاب میں دہرایا۔ تقسیم کے بعد انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں اور پاکستان کے ہندوؤں کو اپنی اپنی مملکتوں کے ساتھ غیر مشروط طور پر وفادار رہنے کی تلقین کی۔ اب نئے جغرافیائی اور سیاسی حوالہ سے ان کے لئے مقدم مسئلہ یہ تھا کہ تقسیم کے بعد اور آزادی کے حصول کے بعد دونوں قومیں جو دو قومی نظریہ کے حلیہ میں بند تھیں مملکت بن کر آزاد و خود مختار ہندوستانی اور آزاد و خود مختار پاکستانی قوم کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اس طرح اب ان کی مقدم شناخت ہندو اور مسلمان کہلائے جانے کی بجائے ہندوستانی اور پاکستانی تھی۔ آبادی کے اعتبار سے اپنے اپنے علاقوں میں غالب ان دونوں برسرِ پیکار قومیتوں کو ایک آزاد قوم اور مملکت کی شکل میں تبدیلی نے راتوں رات سب پر حاوی اور بالاتر تعلق میں منسلک کر دیا تھا یعنی وہ یا تو ہندوستان کے شہری تھے یا پاکستان کے۔ لہٰذا ۱۱ اگست کو بلا تمیز و بلا استثناء نسل و مذہب و رنگ سب کے ایک متحدہ پاکستانی قوم کی شکل اختیار کر لینے کے سلسلہ میں مسٹر جناح کا اعلان بھی ایک مثالی یا اصطلاحی تبدیلی کا مظہر ہے۔

تقسیم کے بعد زمینی حقائق میں تبدیلی کے اعتبار سے نئے حقائق کی رو سے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے یہ ایک اصطلاحی تبدیلی تھی گو اس کی وجہ نہیں بتائی جا سکتی لیکن بہت سے مبصرین اس اصطلاحی تبدیلی اور اس کے اثرات کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ تاہم الفاظ کی شکل میں اصطلاح ایک نظریاتی ڈھانچہ ہوتا ہے جو کہ تبدیل ہونے والے مخصوص حالات کے حوالہ سے یا کسی خاص وقت میں رونما ہونے والے واقعات کے حوالہ سے صحیح ہوتا ہے اور جب ان حالات اور واقعات میں تبدیلی آ جاتی ہے اور کیونکہ یہ مبصرین نئے حقائق کے تقاضوں کو سمجھنے میں ناکام رہے، مسٹر جناح کے ۱۱ اگست کے خطاب پر ان تبصروں کو ''خیال آرائی اور مبہم عبارت'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بقول روزینتھال (Rosenthal) ''یہ کیسی حیرت انگیز کایا پلٹ تھی'' ان کا ذہن منطق معقولیت کے لئے تیزی سے سرگرداں تھا۔ ان کا مقصد کیا تھا؟

''کیا وہ (مسٹر جناح) اپنے مقام کو بھول گئے تھے؟ کیا واقعات کے طوفان نے ان کے ہوش و حواس کو ایسا مختل کر دیا تھا کہ وہ فریق مخالف کے دلائل پیش کر رہے تھے؟ کیا وہ پاکستان کے قیام سے قبل متحدہ ہندوستان کی وکالت کر رہے تھے؟'' (اسٹینلے والپرٹ Stanley Walpurt) کا تبصرہ جو ''جناح آف پاکستان کا مشہور مصنف ہے) لیکن ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ نہ روزینتھال نہ والپرٹ تقسیم کے بعد کے برصغیر کے حالات کے حوالہ سے اور ایک آزاد و خود مختار ہندوستان کے حوالہ سے اور ایک آزاد و خود مختار پاکستان کے نئے حقائق کے حوالہ سے مسٹر جناح کے نظریہ سمجھ سکے تھے اور نہ اس کی صحیح ترجمانی کر سکے تھے۔

وہ صحیح ترجمانی اس لئے نہیں کر سکے تھے کہ انہوں نے اتنی گہرائی اور اتنے طویل عرصہ تک مسٹر جناح کی سوچ کا مطالعہ نہیں کیا تھا کہ وہ اس اصطلاحی تبدیلی کے اعتبار سے مسٹر جناح کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکتے۔ وہ یہ محسوس نہیں کر سکے کہ مختلف

نسلی، مذہبی اور لسانی گروہوں پر مشتمل متحدہ پاکستانی قومیت کے شدید تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک تخلیقی سوچ اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ گزشتہ جدوجہد کے مطالبات اور ترجیحات کو راتوں رات نظر انداز کر دیں۔ اس طرح بحیثیت معمار قوم اور مدبران کے عظیم الشان کارنامہ کے اعتبار سے ان کا کردار کا چوتھا دور بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا تیسرا اور یہ چوتھا دوران کے سیاسی کردار کی تکمیل کرتا ہے جو گومختلف النوع ہے لیکن عظیم الشان طریقہ سے نتیجہ خیز ہے۔

بشکریہ اخبار ڈان

☆☆☆